ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

اُردو ناول کے اہم رجحانات اور پاکستان میں ادبی صورت حال

(ابتداء تا ۱۹۶۰ء)

☆ڈاکٹر طارق مجید
اسسٹنٹ پروفیسر (اردو)گورنمنٹ اسلامیہ گریجویٹ کالج چنیوٹ

Abstract:
Techniques are a bone a fiction. It may be in form, stylish or any theory is thoughts, Narrative, allegory, dramatic, epistolary lecture and soliloquy etc., are commonly used in fiction. The novel and the bodice of life go hand in hand. The novel has been used extensively. Through it, arrows of satire were fired; offices of preaching and admonition were opened. Political issues were resolved, religious conventions were resolved, and scholarly discussions were held. It is also a picture of life, construction and the interpretation of youth. Each novel is the beginning of a mental journey and an attempt to unveil human nature.

Keywords: Epistolary, Soliloquy, Extensively, Admonition, Conventions, Construction, Interpretation , Unveil

لفظ "ناول" لاطینی سے فرانسیسی زبان میں ہوتا ہوا انگریزی زبان میں اور انگریزی سے بارے ادب میں منتقل ہوا ہے۔انگریزی میں یہ عام طور پر "نیا" کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔یہ وہی لفظ ہے جسے فارسی میں نو ، نوی اور نویں اور سنسکرت میں ، نویں اور نول کہتے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم ہند یورپی کا لفظ ہے جہاں سے یہ مغرب کی زبانوں میں پہنچا اور وہاں صنف افسانہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔جس کی پیدائش نئی نئی ہوتی ہے۔(۱)

جناب احسان اکبر ناول کی ابتدا کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

' ناول کا نام فرانسیسی زبان کے لفظ"نوویلا" سے مشتق ہے جس کے معنی کہانی کے ہیں۔ناول نے بنیادی طور پر(Anti-Romance) کے طور پر جنم لیا(Anti-Romance)ہونے سے ہم کلاسیکی مزاج مراد نہیں لیں گے کہ یہاں اس سے وہ رویہ مراد ہے جو معیار پسندی، عظمت حسن ، نفاست اور خصوصی اہمیت رکھنے والے کرداروں کی بجائے عام، عومی اور معمولی کرداروں کی بھیڑ میں کسی کردار یا کرداروں کا سفر دکھا سکے۔یوں ناول عمومیت پر اصرار کرتا ہے۔یہی عمومیت اسے عام زندگی میں شامل ہو کر زیست کو عام و خاص سارے مظاہر سمیت دیکھنے کی توفیق بخشتا ہے۔یوں اپنی صنفی ضرورت کے تحت ناول تخیل محض کی بجائے حقیقت پر اصرار کرتا ہے۔(۲)

ناول کی تعریف کرتے ہوئے جناب آل احمد سرور"ناول کیا ہے" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

' ناول ہمارے ادب میں انگریزی کے اثر سے آیا۔مغربی ادبیات میں چونکہ ہم عام طور پر انگریزی ادب سے ہی واقف ہیں اس لیے زیادہ تر ناول کی تاریخ اور تنقید میں انگریزی ادب کے شاہکاروں ہی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔یہ صحیح نہیں ہے۔ناول نے براعظم یورپ اور امریکہ میں ایک خاص اہمیت حاصل کی ہے اور فرانسیسی ، روسی ،جرمن اور ناروے کے بعض مصنفین نے ناول کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔"(۳)

کسی نے ناول کو "خواب جوانی کی تعبیر و تنقید" سمجھا کسی نے حیات انسانی کے اتار چڑھاؤ کی کہانی اور کسی نے فطرت انسانی کا مرقع۔رسوانے اسے "زمانے کی تاریخ" قرار دیا ہے قصہ مختصر ناول ہماری روز مرہ زندگی کی مکمل اور جاندار تصویر کا دوسرا نام ہے جس کو داستان کا دوسرا جنم سمجھنا چاہیے۔

شہزاد منظر "تخلیقی ادب" میں ناول کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

' مغربی ناول کی تاریخ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصے کہانی کا فن مغرب سے مشرق نہیں آیا بلکہ مشرق سے مغرب گیا ہے۔عزیز احمد نے اپنے مقالے "اردو میں اچھے ناول کیوں نہیں ہیں" میں دعویٰ کیا ہے کہ ناول کا فن مغرب سے مشرق نہیں آیا۔مشرق سے مغرب گیا ہے۔ناول

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

سے ملتا جلتا لفظ سب سے پہلے اطالویوں نے اپنی طویل کہانیوں کے لیے استعمال کیا جن کو وہ Noville یا نئی چیز کہا کرتے تھے اور یہ نام نہاد نئی چیزیں بڑی حد تک عربی اور یونانی داستانوں سے ماخوذ تھیں۔ان عربی کہانیوں کے بغیر نہ اطالوی افسانے میں جان پڑتی اور نہ یو کیچیو کا فن اپنے اصلی میدان میں آگاہ ہوتا اور نہ مغربی یورپ میں ناول کی بنیاد پڑتی۔مغرب میں جس صنف کوNoville کے نام سے موسوم کیا گیا۔س سے مراد ایک نئے طرز کا طویل قصہ تھا۔جس میں مافوق الفطرت داستان کی بجائے روزمرہ کے واقعات اور تجربات بیان کیے گئے ہوں۔اس سے قبل مغرب میں جو قصے کہانیاں عام تھیں ان کی بنیاد زیادہ تر یونانی اور عربی اساطیر اور داستانوں پر قائم ہوئی تھی۔اس دور کے مغرب کے قصے کہانیوں پر مشرق کا اثر خصوصاً الف لیلیٰ کا اثر کسی سے پوشیدہ نہیں۔یہ مشرقی کہانیوں اور داستانوں کا ہی اثر تھا کہ مغرب میں اساطیر کہانیوں کو سمیٹ کر لکھا گیا تو ناول ظہور میں آیا اور اردو میں داستانوں نے سمٹنا شروع کیا تو ملاوٴجہی کی "سب رس" سرشار کا "فسانہ آزاد" سامنے آیا۔"(۴)

مندرجہ بالا تعریفات کی روشنی میں ہم ناول کی تعریف کو سمیٹے ہوئے ایسے بیان کریں گے کہ ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے۔اس سے ایک مخصوص صنف افسانہ مراد ہوتی ہے جب انگریزی ادب کے زیر اثر یہ صنف ہماری زبان میں منتقل ہوئی تو اس کا نام "ناول" بھی اس کے ساتھ ہی چلا آیا۔فن کی رو سے ناول اس نثری حصے کو کہتے ہیں۔جس مین کسی خاص نقطۂ نظر کے تحت زندگی کی حقیقی اور واقعی عکاسی کی گئی ہو۔ناول کا مرکزی کردار انسانیت ہے اگر ہم ناول کا مطالعہ کرنا چاہیں تو ہمیں اپنی تمام تر توجہ اس مرکزی کردار پر صرف کرنا ہوگی۔کائنات کو ہم محض اس نظر سے دیکھیں گے کہ اس نے انسانیت کے بگاڑ نے یا بنانے میں کہاں تک حصہ لیا ہے۔محض مختلف افراد کی زندگیاں اپنی جگہ کوئی حقیقت نہیں رکھتیں یہ تو عالم انسانیت کے مرکزی حصے کے ضمنی پلاٹ ہیں۔ناول انہیں افراد کی زندگیاں پیش کرتا ہے۔اس لیے ہمارا مرکز توجہ ایک شخص(مرکزی شخص قصہ) اور اس کے واسطے سے اس کا ماحول معاشرہ ہوتا ہے جس طرح کائنات سے الگ انسانیت کا تصور ناممکن ہے۔بالکل اسی طرح مخصوص ماحول یا معاشرے سے جدا ہو کر انفرادی زندگی کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے اس لیے ہمارے لیے ان واقعات کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے جو اس سے اثر پذیر بھی ہو اور اس پر اثر انداز بھی۔اس طرح ناول انسان کی باطنی اور خارجی زندگی کے تصادم کا ایک مسلسل نثری قصہ ہے جو قدیم انسانوں کی بہ نسبت ہماری زندگی سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔دراصل یہ صنف افسانہ قدیم قصوں سے کوئی جداگانہ چیز نہیں ہے اس باب میں ادیبوں کا ایک گروہ ناول کو قدیم ، مافوق الفطرت افسانوں سے مختلف العمل قرار دیتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت نگاری اور صداقت شعاری اس کی تعریف کا لازمہ ٹھہرا دی گئی ہے لیکن حقیقت نگاری کے اس جذبہ یا رجحان کی یہ شدت بجائے خود قابل غور ہے۔جب تک حقیقت پر تخیل کا رنگ نہ چڑھایا جائے۔اس میں افسانیت نہیں پیدا ہو سکتی اور ناول پولیس کے روزنامچہ یا تاریخ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔افسانہ نگار اپنی کردار نگاری کے لیے لازمی طور پر کسی وجود کو نمونے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔وہ حقیقی انسانوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کے بعد ایک سطر بھی کام کی نہیں لکھ سکتا۔اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے کہ ایک کیمرے کی طرح کسی کی ہو بہو تصویر کھینچ کر رکھ دے افسانے کو افسانہ بنانے کے لیے اصل لوگوں کے حالات اور خصوصیات میں یقینا بہت ردوبدل اور اضافہ سے کام لینا پڑتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں غدر1857ء بڑی اہمیت رکھتا ہے۔اس نے سیاسی انقلاب ہی نہیں پیدا کیا بلکہ اس کی وجہ سے سماجی اور اخلاقی قدروں کے معیار میں بھی زلزلہ آگیا۔ادب پھر کیونکر متاثر نہ ہوا۔ادب کی بنیادیں ہمارے طریق معاشرت یعنی تہذیب ہی میں استوار ہوتی ہیں۔ہمارا کلچر یا ہماری زندگی ہی تو وہ زمین ہے جس میں نخل ادبیات اگتا اور نشوو نما پاتا ہے۔جب زمین بدل جائے تو آسمان کیونکر نہ بدلے۔جنگِ آزادی سے قبل ہمارے نثری ادب میں قصے کہانیاں، حکایتیں ، تمثیلیں اور داستانیں عام تھیں جبکہ نظم کے میدان میں اہم صنف مثنوی تھی فورٹ ولیم کالج کے بعد خاص طور پر اُردو نثر نے پہلی کروٹ لی۔

1857ء کے بعد ایک طرف ہماری زوال پذیر تہذیب غیروں کے ہاتھوں مٹتی چلی گئی تو دوسری طرف کچھ نئے پھول پروان چڑھنے لگے۔زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ہمارے ادب نے بھی بدلتے ہوئے حالات اور خاص کر سرسید تحریک کے زیر اثر نیا رخ اختیار کیا۔اس وقت ایک بات واضح ہو گئی تھی کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری زندگی سے فرار ہے اور انگریزوں کی کامیابی کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ وہ خیالی دنیا میں پرواز کی بجائے اصل دنیا مین رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔حالات کا جائزہ لیتے ہوئے سرسید احمد خان نے اپنی قوم کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سہارا دینے کی کوششیں شروع

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

کیں تو اردو ادب کو بھی وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت تھی جس کے لیے انہیں چند قابل قدر ساتھیوں کا تعاون حاصل ہو گیا۔ ان کے ایک اہم ساتھ مولوی نذیر احمد تھے۔مولوی نذیر احمد نے اُردو زبان کا پہلا ناول "مراۃ العروس" لکھا۔

مولوی نذیر احمد نے سوچ سمجھ کر یا کسی تجویز کے ماتحت ناول نگاری شروع نہیں کی تھی بلکہ جب انہوں نے اپنی بیٹیوں کو تعلیم دینے کا ارادہ کیا تو انہیں اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ ملی جو ان کا مقصد پورا کرتی۔اس وقت کے پیش نظر انہوں نے خود ایک ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ کیا جس میں لڑکیوں کو مذہب و اخلاق کے علاوہ گھریلو دھندوں کی تعلیم بھی مل جائے۔مراۃ العروس اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئی مگر اتفاق کی بات ہے کہ یہ کتاب انگریز حاکم کو پسند آ گئی اس نے مولوی نذیر احمد کو انگریزی سرکار سے اس کتاب پر انعام دلوایا اور یہ کتاب چھپوا دی۔یہ کتاب چھپنے کے ساتھ ہی بے حد مقبول ہوئی اور اس کی لا تعداد جلدیں فروخت ہوئیں۔اس کتاب کا متعدد زبانوں میں ترجمہ بھی ہوا۔مولوی صاحب نے اس کے بعد اور بھی ایسی کتابیں لکھیں۔اس طرح اُردو زبان میں ناول کی ابتداء ہوئی۔مولوی نذیر احمد نے اپنے ناول میں اخلاقی، معاشرتی ،تمدنی اور مذہبی موضوعات بیان کیے۔مسلمانوں میں ایمان و اعتقاد کی پختگی پیدا کرنے کے لیے وعظ موعظمت کاحربہ استعمال کیا۔مولوی صاحب نے مردوں اورخاص طور پر عورتوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اس میں کامیاب رہے۔نذیر احمد مدرس اخلاق پہلے اور فنکار بعد میں ہیں چونکہ وہ دور مسلم نشاۃ الثانیہ کا تھا اور تحریک علی گڑھ اس سلسلے میں پیش پیش تھی۔مولانا نے اپنے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس تحریک میں ناول کو منتخب کیا۔اس سلسلہ مین ان کی نگاہ سب سے پہلے امور خانہ داری پر پڑی اور انہوں نے ایک گھریلو تمثیل مراۃ العروس تصنیف کی یہ کتاب کافی طویل واعظ سے شروع ہوتی ہے جس میں لڑکیوں کو ہنر مندی اور سگھڑاپہ سکھانے کی ہدایت کی گئی ہے۔بنات النعش ایک لحاظ سے مراۃ العروس کا دوسرا حصہ ہے اس میں لڑکیوں کی بہتر پرورش اور گھریلو ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔توبتہ النصوح ان کا ایک اہم اور مشہور ناول ہے۔اس ناول میں انہوں نے والدین کو یہ احساس دلایا ہے کہ لڑکے کے مزاج کی اصلاح، عادات و خصائل کی درستگی اور افکار و خیالات کی تصحیح کرنا ماں باپ کا اولین فریضہ ہے۔

ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں کہ:

' ' توبتہ النصوح کا نام نذیر احمد نے قرآن پاک سے لیا ہے۔اس میں توبتہ النصوح کی ترکیب مخلصانہ توبہ کے معنی میں آئی ہے۔اس تخلیق کا مقصد مصنف کے نزدیک لوگوں کو خدا پرستی کی تعلیم دیا تھا۔" (۵)

مولانا نذیر احمد نے دیگر ناولوں (ابن الوقت۔رویائے صادقہ، محصنات، فسانہ مبتلا، ایامی وغیرہ) میں بھی اصلاحی اور اخلاقی تعلیم کی ضروریات پر زور دیا گیا ہے۔ابن الوقت میں مولانا نے گھر کی چار دیواری سے نکل کر اپنے عہد کی سیاست کو موضوع بنایا۔اس ناول میں انگریزی تہذیب و معاشرت اپنانے والوں کا مضحکہ اڑایا ہے۔ڈپٹی نذیر احمد کے تقریباً تمام ناولوں کے کردار مولانا کی شخصیت کے ہی عکس ہیں کیونکہ یہ سب انہی کی طرح دیندار، مبلغ، معلم اور مقرر تھے مولانا نے اپنے لیکچر ہمین انہیں کی زبانی سنوائے ہیں۔خانہ داری کے متعلق ان کی معلومات بہت وسیع ہیں اور ان کے ذاتی تجربات کا نچوڑ ہیں۔

نذیر احمد کے ہم عصروں میں سرشاد ایک اہم ناول نگار ہیں ان کا مشہور ناول فسانۂ آزاد ہے۔انہوں نے اپنے اس ناول میں لکھنو کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں۔سرشار کے ناولوں (فسانہ آزاد،جام سرشار، سیر کہسار، پی کہاں ، کڑم دھڑم ، طوفان بدتمیزی ، چنچل نار اور کامنی) میں معاشرے اور ماحول کی عکاسی کی گئی ہے۔آپ نہ تو مصلح قوم ہیں اور نہ ہی معلم اخلاق۔تاہم ان کے ہاں کہیں کہیں اصلاحی رنگ نمایاں ہیں۔زندگی کی سطحیت اور بے راہ روی ، عیاشی، آوارہ گردی اور بے مقصدیت ان کے ناولوں میں زیادہ ہے سرشار نے دنیا کو پنڈت جی کی وسیع نظر سے دیکھا۔بیگمات کی زندگی نور مبین کی صحبتیں، سرائے کی بھٹیاریوں کی حالتیں، بازار کی رونقیں۔اوسط طبقہ کے حالات خاص خاص تہواروں پر جشن و عیش و تفریح کے مختلف سامان ، غرضیکہ ان کے ناولوں کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ڈاکٹر احسن فاروقی لکھتے ہیں کہ:

' ' اُردو ناول کے ارتقاء میں ان کی ناولیں نقوش اولیں سے بہت آگے ہیں اور نذیر احمد کے تمثیلی فسانوں سے زیادہ ناولیں کہلانے کی مستحق ہیں سرشار کو اخلاقی صفات سے تعلق نہیں افراد سے ہے وہ تمثیل کے دائرے سے ناولوں کے دائرے میں ضرور آ جاتے ہیں۔نذیر احمد انسانوں سے واقف تھے مگر ان کا یہ فن تھا کہ کسی ایک اخلاقی صفت کو لے کر اسے انسانی جامہ ایسا پہنا دیا جائے جو اس صفت کے مواقف ہو۔سرشار کا فن انسان کو لینا ہے اورا س میں کسی خاص انفرادی صفت کو خواہ اخلاقی ہو یا محض نفسیاتی نمایاں کر دینا ہے۔یہی ناول کا فن ہے اور اردو میں اس کے موجد سرشار ہیں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

اگر وہ اس بنیادی معاملے کے علاوہ اس فن کے دوسرے لوازمات سے عہدہ برآ ہوتے تو ان کو پورا ناول نگار کہا جاتا ہے اور اُردو ناول کے موجد کہلانے کا پورا حق ان ہی کو ہوتا۔اب صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اُردو میں اس فن کا بیج بویا۔"(۶)

تاریخی اعتبار سے دوسرے اہم ناول نگار سرشار ہیں۔اُردو ناولوں پر مغربی اثرات کا سلسلہ سرشار سے شروع ہوتا ہے۔آزاد اور خوجی (کردار) اس عہد کی تہذیب و معاشرت کی پوری ترجمانی کرتے ہیں۔سرشار کے اکثر ناول تکنیکی اعتبار سے ناول کے معیار پر پورا نہیں اترتے لیکن سرشار کے قلم کا یہ اعجاز ہے کہ لاپروائی سے لکھنے پر بھی اردو کو ایک ایسی تصنیف دی جس کا اسلوب اپنی انفرادیت کے لحاظ سے نمایاں ہے۔

عبدالحلیم شرر تاریخی ناول نگاری کی وجہ سے اردو ناول میں اہم مقام رکھتے ہیں:

' ' تاریخی ناول اور تاریخ میں اہم فرق یہ ہے کہ تاریخ میں واقعات اور کردار دونوں حقیقی ہوتے ہیں جبکہ تاریخی ناول میں نام چاہے حقیقی ہوں واقعات، معاملات، مناظر سب ناول نگار کے تخیل کی پیداوار ہوتے ہیں۔"(۷)

' ' شرر اُردو کے ایک بسیار نویس ناول نگار گزرے ہیں انہوں نے سروالٹر اسکاٹ کا ناول "طلسمن" پڑھ کر ناول نویسی کی ابتداء کی۔اس ناول سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی تھی کہ اسکاٹ نے مسلمانوں سے ناانصافی کی ہے۔اس لیے انہوں نے یہ طے کیا کہ وہ مسلمانوں کی قدیم تاریخ کے واقعات سے متعلق ناول لکھیں اور اسلاف کے کارنامے بیان کر کے انہیں جوش دلائیں اس طرح وہ مسلمانوں میں کافی مقبول ہو جائیں گے اور ان کی کتابیں بھی ہاتھوں ہاتھ نکل جائیں گی لیکن تاریخی واقعات کے بیان محض خشک سمجھ کر انہوں نے ان میں حسن و عشق کی چاشنی داخل کرنے کی بات بھی دل میں ٹھہرائی اور ناول پر ناول لکھنا شروع کر دیئے اس بات کا ثبوت خود انہیں کی تحریروں سے ملتا ہے کہ ان کی ناول نگاری کا معیار مسلم عوام کے مذاق پر قائم کیا گیا تھا اور انہیں کی پسندیدگی کو شرر نے اپنا ہادی بنایا تھا۔"(۸)

عبدالحلیم شرر کے ناولوں کی فہرست بہت طویل ہے جن میں سے چند ناولوں کے نام یہ ہیں ملک العزیز ورجینا ، شوقین ملکہ، حسن انجیلنا ، عزیز مصر، فلور افلورنڈا، فتح اندلس فلپانا، زوال بغداد، بابک خرمی، ایام عرب منصور موہنا، فردوس بریں، خوفناک محبت اور دربار حرام پورہ وغیرہ ان کے ناولوں میں فردوس بریں ایک ایسا ناول ہے جو انہیں اردو ادب میں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔شرر کے ناولوں کی خامیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ مولانا عیسائی ناولوں کے جواب میں اسلامی عظمت کو زیادہ نمایاں اور اجاگر کرنا چاہتے تھے شرر نے دیگر ناول نگاروں سے علیحدہ ہو کر اپنی ایک الگ راہ نکال لی اور انگریزی کی خوبصورت بندشوں کو بڑی خوبصورتی سے اُردو میں داخل کیا مگر تشبیہات و استعارات پرانے ہی رکھے۔انہوں نے خیالی مضامین کو لیا اور ان میں انگریزی جادو نگاری کی سی خیال آفرینیاں کیں اور نہایت خوبصورتی اور عمدگی کے ساتھ اُردو میں کھپایا۔انہوں نے انسانی جذبات کو ایک دلکش پیرائے میں بیان کیا۔شرر نے زور طبع دکھانے کے لیے ایسے ایسے عنوانات کا انتخاب کیا جن پر اس سے پہلے قلم نہیں اٹھایا گیا تھا۔

شرر کے ہم عصروں میں مرزا ہادی رسوا بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔مرزا صاحب نے یوں تو پانچ ناول(شریف زادہ، اختری بیگم، ذات شریف، امراء جان ادا اور افشائے راز) لکھے مگر انھیں شہرت عام "امراؤ جان ادا" کے سبب سے ہوئی۔یہ ایک رنڈی کا قصہ ہے ، اس لیے مرزا ہادی نے اپنا آپ چھپانے کے لیے رسوا تخلص رکھا مگر وہ تو اس ناول میں رسوا ہو کر بھی ہادی ہی رہے مگر یہ تخلص اتنا مشہور ہوا کہ وہ ہادی ہو کر بھی رسوا ہی مشہور ہوئے۔مرزا ہادی کی دلچسپیاں متنوع تھیں۔وہ ناول نگار تھے۔مذہبی عالم تھے ، اردو ٹائپ کے بانی تھے۔وہ اپنے ناول "امراؤ جان ادا" میں ایک سائنس دان ، شاعر اور منطقی کی خصوصیات سمیت موجود ہیں۔یعنی ناول کی تعمیر میں انجینئر ہو گئے ہیں۔واقعات کی ترتیب میں منطقی کا ذہن کار فرما ہے اور انداز بیاں میں شاعر اور ادیب ساتھ ساتھ چلتے دکھائی دیتے ہیں۔مرزارسوا نے اس ناول میں ایک طوائف کی سرگزشت بیان کی ہے۔اس ناول میں رسوا نے لکھنوی تہذیب و تمدن میں طوائفوں کے کردار کی عکاسی بڑے فنکارانہ انداز میں کی ہے۔یہ ناول ہر لحاظ سے سبق آموز اور عبرت خیز ہے۔مرزا صاحب کے رجحان طبع کا اثران کے شاہکار امراؤ جان ادا پر بھی پڑا ہے۔یہ ناول ہمارے ادب کا نادر شاہکار ہے۔پلاٹ ترتیب کی بہت عمدہ مثال ہے۔اس میں زندگی کے تمام نقوش خواہ وہ خانم صاحبہ کے منظم چکلے کے حالات ہوں یا محفل ہائے رقص و سرور ہوں ، سڑک اور سراؤں کے واقعات یا رنڈیوں کے کمروں کے افکار ہوں سب اس قدر جکڑے ہوتے ہیں کہ زندگی کی نبض ان میں اپنی صحیح اور پوری رفتار سے چلتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی۔یہ ناول سراسر فنکاری ہے مگر یہ فنکاری کی اس اعلیٰ حد تک نہیں پہنچتی جہاں زندگی اور فن بالکل ایک ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر احسن فاروقی لکھتے ہیں کہ:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

‘ ’ امراؤ جان ادا ہی اردو میں ایک پوری ناول ہے ، ناول ایک خاص صنف ادب ہے جس میں نفسیاتی دلچسپی یا ڈرامائی تصادم پیچیدگی اور قرین قیاس، کردار نگاری کو ایک مخصوص فارم یا سانچے میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ واقعیت کا اثر پیدا ہو۔امراؤ جان ادا ہی اردو کی ایک ناول ہے جو اس تعریف پر پورا اترتی ہے۔"(۹)

امراؤ جان ادا کا کردار فن کاروں کے لیے مثال ہے انہوں نے امراؤ جان ادا کی تہذیب ادبی ذوق خوداری ، ذاتی تجربہ، نظریۂ زندگی اور اس کے ذہن کے تمام پہلوؤں کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ خواہ مخواہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

پریم چند بحیثیت ناول نگار بہت مشہور ہیں، گو ان کے ناولوں میں عشق و محبت کی چاشنی بھی ہے لیکن سنجیدگی ، متانت ، ادیب کی ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس اور فن کی گہرائی بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔انہوں نے مقصدیت کے پہلوؤں کو ہمیشہ مد نظر رکھا۔بہرحال معاشرہ ، غریبوں اور کسانوں کے مصائب و مشکلات ، غموں ، خوشیوں اور خوبیوں کو انہوں نے جس خوبصورتی سے بیان کیا ہے وہ محض انہی کا خاصا ہے پریم چند روحانیت کے دل سے قائل تھے۔وہ دوسرے ناول نگاروں کی طرح حقیقت نگاری کے شوق میں اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔میدان عمل ، گؤدان، بیوہ، بازار حسن، نرملا، گوشہ عافیت اور چوگاں ہستی ان کے بہترین ناول ہیں۔اردو ناول کے ارتقاء میں پریم چند کی حیثیت ایک روشن ستارے کی سی ہے۔ان کے پلاٹ اور کرداروں میں ایک وسعت دکھائی دیتی ہے۔وہ تہذیب و معاشرت کے سچے مناظر پیش کرتے ہیں۔واقعیت نگاری ان کی تحریروں کی جان ہے ۔پریم چند نے ہندوستانی دیہات کے ہو بہو نقشے کھینچے ہیں اور کسانوں ، مزدوروں اور غریب طبقہ ہائے زندگی کو بڑے مفسر اور مدبر کی طرح بیان کیا ہے ۔ان کی تحریروں میں مبالغے کا شائبہ تک نہیں آتا۔تحریروں میں آمد اور زور ہے لطیف استعارات اور تشبیہات سے عبارت کی خوبی اور خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اُردو ناولوں کے ارتقاء میں راشد الخیری کا نام بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔انہوں نے مولوی نذیر احمد کی تقلید کی اور مسلمان عورتوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے ناول لکھے۔انہوں نے اپنے ناولوں میں عورتوں کی مظلومیت اور مردوں کے ظلم و ستم کا ذکر کیا ہے۔راشد الخیری کو اندوہناک درد ناک اور غم انگیز واقعات کی تصویر کھینچنے میں کمال حاصل تھا۔اس لیے انہیں "مصورِ غم" بھی کہا جاتا ہے۔ان کے ناولوں میں اخلاق سوز تحریریں نہیں ملتیں اور نہ ہی کوئی قابلِ گرفت بات ملتی ہے۔ان کے ناول اخلاقی اور اسلامی معیار پر پورا اترتے ہین ان کے ناولوں مین صبح زندگی ، شام زندگی، شب زندگی، عروس بلا، حیات صالحہ ، بنت الوقت ، نانی عشو، زہر مغرب اور ماہ عجم وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔جزئیات کی تفصیل اور منظر کشی کے بیان میں ان کا قلم رواں رہتا ہے۔جگہ جگہ انشاء پردازی کی جھلک نمایاں ہے۔اصلاحی مقصد چھایا ہوا ہے ناول نویسی کے لحاظ سے انہیں مولوی نذیر احمد کا صحیح جانشین کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے تمام ناول اصلاحی، تبلیغی، فلاحی اور اسلامی ہیں اور ان کی تحریریں درد انگیز اور تاثیر سے لبریز ہیں۔

نیاز فتح پوری نے ایک رومانی مکتب فکر کی بنیاد ڈالی۔انہوں نے شاعرانہ اور جذباتی انداز کو اپنایا۔نیاز صاحب نے "شہاب کی سرگزشت اور شاعر کا انجام" ناول لکھے۔ان کے ہاں مثالی محبت شعریت ملتی ہے۔ہر جگہ فلسفہ طرازی کی کوشش کی ہے۔بیان کی رعنائی ، شوخی اور بانک پن ہر جگہ نمایاں ہے۔فنی لحاظ سے ان کے ناول خاصے کمزور اور حقیقی زندگی سے کئی درجے دور ہیں مگر پھربھی ان میں انشا پردازی کی جھلک ملتی ہے۔اس دور میں ظفر عمر نے جاسوسی ناول لکھ کر اردو ادب کی عظیم خدمت سرانجام دی "نیلی چھتری" ان کا مشہور ناول ہے۔

ایم اسلم نے اُردو میں بہت زیادہ ناول تحریر کیے ان کے ناول قومی ، مذہبی ، اخلاقی اور اصلاحی نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔ایم اسلم اسلام پسند ادیب اور علامہ اقبال سے متاثر نظر آتے ہیں۔انہوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کا کام کیا۔انہیں اسلامی اقدار اور تعلیمات کی ترجمانی کرنے میں بڑی مہارت ہے۔ان کے مشہور ناولوں میں آخری رات، اشک ندامت، شمسہ ، رقص ابلیس اور مرد غازی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔اے آر خاتون کے ناول بھی تخلیق اور رومانی ہیں۔ان ناولوں کا مقصد تفریح طبع ہے۔آپ حسن و عشق کی رنگین و دلکش دنیا کی تصویر کشی میں مہارت رکھتی ہیں۔انہیں اظہار و بیان پر ملکہ حاصل ہے۔انہوں نے اصلاحی ناول بھی لکھے ہیں۔"زیور" اپنا جواب آپ ہے۔دراصل یہ ایک معاشرتی اصلاحی ناول ہے۔اس ناول کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اخلاقی اور اصلاحی ہونے کے باوجود دلچسپ ہے۔عصمت چغتائی ترقی پسند ناول نگاروں مین ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔معصومہ ، ضدی اور ٹیڑھی لکیریں ان کے اہم ناول ہیں۔ٹیڑھی لکیر میں ان کا سب سے مقبول ناول ہے۔عصمت چغتائی طنزیہ انداز میں معاشرے میں پائے جانے والی برائیوں کا ذکر بڑے بھرپور انداز سے کرتی ہیں۔ڈاکٹر سہیل بخاری صاحب اپنی کتاب ناول نگاری میں لکھتے ہیں کہ:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

‘ ‘ عصمت کو طنز سے خاص مناسبت ہے جو بعض اوقات نہایت شدید اور تلخ بھی ہو جاتی ہے۔طنز نگاری کی مثالیں ان کی ہر کتاب میں ملتی ہے ‘‘معصومہ’’میں ہیروئن کا نام ایک بھرپور طنز ہے اور آخر کتاب میں ان کا لیکچر پورے کا پورا طنزیہ ہے۔ان کی ایک اور خصوصیت ان کی بیباکی ہے وہ جنسی اور جنسی معاملات پر کھلے دل سے تبصرہ کرتی ہیں اور ان کی تفصیلات بیان کرتے قطعاً نہیں جھجکتیں اور اپنے سماج کی اخلاقی پابندیوں کو خاطر میں نہیں لاتی ، غالباً ان کی نظر میں ہماری اخلاقی قدریں قابل احترام ہی نہیں ہیں ‘‘معصومہ’’ میں تو عصمت بہت ہی تیز ہو گئی ہیں اور انہوں نے اسے بار بار ننگا کر کے دکھایا ہے۔’’(۱۰)

کرشن چندر رومانویت اور ترقی پسندی کا امتزاج ہیں۔ان کے انداز بیان پر رومان اور جذباتی رنگ چھایا ہوا ہے۔انہوں نے شکست لکھ کر ناول نگاری کی ابتداء کی پھر ‘‘جب کھیت جاگے’’۔‘‘طوفان کی کلیاں’’ اور ‘‘دل کی وادیاں سو گئیں’’ لکھ کر اپنے فن کو آگے بڑھایا مگر ان کا پہلا ناول ‘‘شکست’’ اب تک ان کا بہترین ناول ہے۔اس کی وجہ اس کا ماحول ہے۔ناول کا قصہ کشمیر کی وادی جنت نظیر کا قصہ ہے جہاں چشمے باغ ، وادیاں، آبشاریں، مرغزار، گلیشئر اور جھیلیں ہیں جن کا رومان پرور بیان مصنف نے مہارت فن سے کیا ہے اس کی فضا رومان میں ڈوبی ہوئی ہے۔ایسے خوبصورت ماحول میں غم کے احساسات اور گہرے ہو جاتے ہیں۔جب کھیت جاگے اور طوفان کی کلیاں طویل افسانے ہیں۔دل کی وادیاں سو گئیں ایک وسیع کینوس کا حامل ناول ہے۔

کرشن چندر کا موضوع محبت ہے انسان کی انسان سے محبت سے لے کر ارض وطن کی محبت تک کا ہر رنگ ان کے ہاں موجود ہے۔محبت کا موضوع اور ان کا شاعرانہ انداز بیان داخلی و خارجی حقیقت نگاری ان تینوں کے مجموعے سے کرشن چندر کا فن ترتیب پاتا ہے۔تقسیم ہند کے بعد لکھے گئے ناولوں میں سبق آموزی اور عبرت خیزی ہے آپ کے دو ناول ‘‘گدھے کی سرگزشت’’ اور گدھے کی واپسی طنزیہ ناول کی بہترین مثالیں ہیں۔

شوکت صدیقی کی شخصیت بھی قابلِ تعریف ہے۔آپ افسانہ نگار بھی ہیں اور ناول نویس بھی ان کے ناول ‘‘خدا کی بستی’’ پر انہیں آدم جی انعام سے نوازا گیا۔‘‘خدا کی بستی’’ کو اُردو ادب میں اہم مقام حاصل ہے۔اردو کا یہ پہلا ناول ہے جس میں خالص پاکستانی معاشرت پیش کی گئی ہے اور جو اپنے حسن و تنظیم اور واقعاتی دل چسپی کے علاوہ سماج کے نچلے طبقے کی صداقت شعارانہ عکاسی کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ناول میں جرائم پیشہ کرداروں کا حال ان کی زبان سے بڑے بھرپور طریقے سے بیان کرایا گیا ہے۔عزیز احمد نے کئی ناول لکھے ہیں جن میں خاص طور پر ‘‘ہوس’’، ‘‘مر مر اور خون ’’، ‘‘گریز’’ ، ‘‘آگ’’ ، ‘‘ایسی بلندی ایسی پستی’’اور ‘‘شبنم’’ و غیرہ اہم ہیں ان ناولوں مین سے ‘‘آگ’’، ‘‘گریز’’ اور ‘‘ایسی بلندی ایسی پستی’’ سب سے بہتر اور کامیاب ناول ہیں۔مصنف سیاسی اور سماجی نظریہ تو اشتمالیت سے لیتے ہیں جبکہ عریاں نگاری ڈی ایچ لارنس سے۔اس طرح ان کے ناول طبقاتی تضاد، معاشی ناانصافی اور جنسی تجربوں کا مجموعہ ہیں۔‘‘گریز’’ کے جنس زدہ کردار کُھل کر سامنے آ گئے ہیں۔‘‘ایسی بلندی ایسی پستی’’میں مغرب زدہ ہندوستانی نظر آتے ہیں اور دکن کے طبقہ امراء کی عورتیں ہیں جو ‘‘کانونٹ’’ سے پڑھ کر نکلتی ہیں۔زوال پذیر جاگیرداری ہے۔جہاں اس کی تمام برائیاں موجود ہیں۔‘‘آگ’’ میں کشمیر کی غربت، جہالت اور استحصال کی تصویر ہے۔بہر حال عزیز احمد نے اجتماعی زندگی کی تصویریں اپنے ناولوں میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کی ہیں۔

قراۃ العین حیدر کے ناول بھی بڑے معیاری ہیں۔مصنفہ نے تین ناول ‘‘میرے بھی صنم خانے’’، ‘‘ سفینہ غم دل ’’، ‘‘آگ کا دریا’’ لکھے۔قراۃ العین حیدر کو سب سے زیادہ شہرت‘آگ کا دریا’’ ناول سے ملی۔اس ناول میں انہوں نے برصغیر کی ڈھائی ہزار سال کی ثقافت پیش کی ہے۔یہ ناول مہاتما گوتم بدھ کے زمانے سے شروع ہو کر برصغیر کی تقسیم کے بعد تک ہے۔

نسیم حجازی عہد جدید کے اسلام پسند ناول نگاروں میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ان کا اسلامی شعور کافی پختہ ہے۔تاریخی ناولوں میں ان کی حیثیت منفرد ہے۔آپ نے ناولوں کے ذریعے اسلام کی بیش قیمت خدمت سرانجام دی ہے۔مصنف نے ‘‘سو سال بعد ، داستان مجاہد، محمد بن قاسم ، آخری چٹان ، شاہین ، خاک و خون ، یوسف بن تاشفین ، انسان اور دیوتا ، آخری معرکہ اور تلوار ٹوٹ گئی ، معظم علی اور قیصر و کسریٰ وغیرہ کئی ناول لکھے۔ان کے ہاں گو عشق و محبت کے واقعات ملتے ہیں لیکن گمراہ کن عشق و معاشقے اور رومانی پہلو بھی کم ہے۔ان کے ناول شرعی حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔نسیم حجازی کے ناولوں میں اسلامی تاریخ ، معاشرہ ، عقائد اور تعلیمات کے علاوہ ملت اسلامیہ کی سینکڑوں سبق آموز باتیں ملتی ہیں۔یہ دینی ، سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی تعلیم کے لیے انتہائی مؤثر ہیں۔ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں کہ:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

‘ ‘ یہ ناول مسلمان عوام کو جہاد پر ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔شدت جذبات ان کی ایسی خصوصیت ہے جو دوسری جگہ مشکل سے ملے گی ان کا مطالعہ غیر مسلموں کے لیے دل آزار ہے۔”(۱۱)

ڈاکٹر احسن فاروقی بھی ایک بہترین ناول نگار ہیں۔انہوں نے چار ناول لکھے جن میں شام اودھ، رہ و رسم آشنائی، آبلہ دل کا اور سنگم شامل ہیں۔ان ناولوں میں فاروقی صاحب نے رومان ، معاشرت، سیاست اور لڑکیوں کی تعلیم کو موضوع بنایا ہے۔ان ناولوں میں پرانی تہذیب نئی تہذیب سے گلے ملتی ہے۔سرشار کے بعد پہلی بار لکھنؤ کے نوابوں کی معاشرت اتنی کامیابی سے پیش کی گئی ہے۔ان لوگوں کا کھانا پینا، اٹھنا، بیٹھنا، ادب آداب ، رسم و رواج ، سیر و تفریح ، عقائد و افکار، اتنی تفصیل اور جذئیات کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ نوابی نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔سہیل بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ:

‘ ‘ مصنف کی کتابوں میں لکھنؤ کی قدیم و جدید معاشرت دست و گریباں نظر آتی ہے۔یہ غالباً خود ان کی شخصیت کا اثر ہے جس کی تعمیر انہیں دونوں اجزاء سے ہوئی ہے۔ان کے ناولوں میں سے شام اودھ اور سنگم اچھے ناولوں میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں بلکہ سنگم تو اردو کے تمام تاریخ ناولوں میں بلند ترین مقام پر فائز ہے۔”(۱۲)

فضل کریم احمد فضلی نے ایک عظیم ناول “خون جگر ہونے تک” تخلیق کیا ناول فضلی نے بنگال (مشرقی پاکستان موجودہ بنگلہ دیش) کے قیام اور پاکستان سے پہلی کی دیہی زندگی اور ماحول کو پیش کیا ہے۔بنگال کے لوگوں کے طرزِ زندگی ، طرزِ احساس، مذہبی عقائد، توہم پرستی ، سیاسی فکر اور طبقاتی کشمکش پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ بنگال پر دوسری جنگ عظیم کے اثرات، طوفان اور قحط کی تباہ کاریوں کو بھی بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

‘ ‘ واقعات کے تسلسل اور اسلوب بیان میں ایجاز و اختصار نے واقعات کو نہایت مؤثر بنادیا ہے کالی گنج میں کشتیوں کی ڈور کے میلے کا بیان بڑا دل نشین ہے میلے سے واپسی پر طوفان کا بیان قیامت خیز ہے اور لنگر خانے کی راہ میں جانے والوں اور مرنے والوں کی مرقع کشی میدان حشر کا نمونہ پیش کرتی ہے۔زبان بامحاورہ اور روز مرہ کے مطابق ہے اور الفاظ نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں انشاء میں چمک دمک اور رنگینی پائی جاتی ہے اور شعریت و ادبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔غرض مصنف کا یہ ناول ان کی پہلی کوشش ہونے کے باوجود اپنے متعدد محاسن کے اعتبار سے اردو کے افسانوی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور حسن و انتظام ، توازن ، حقیقت نگاری نفسیاتی بصیرت، ایجاز اور انشاء پردازی کے لحاظ سے ایک ترشے ہوئے ہیرے کی طرح امراؤ جان ادا کا جواب نظر آتا ہے۔”(۱۳)

احمد شجاع پاشا پرانے لکھنے والوں میں شامل ہیں انہوں نے درجن سے زیادہ ناول لکھے۔ادبی حلقوں اور گروہ بندیوں سے دُور رہنے پر انہیں زیادہ توجہ نہ ملی۔ان کے ناولوں میں کوئی لافانی کردار نہیں ملتا۔پاشا کے ناولوں میں “سویرا” ،“رات کا ساحل” ، “سورج میرا دشمن” ، “ہوا اندھی ہے” ، “شہر ہوئے دیوانے” اور “اک کشتی ملاح سے خالی” وغیرہ مقبول ناول ہیں۔الطاف فاطمہ نے “چلتا مسافر” کی صورت میں پہلی بار بہاریوں کے مسئلہ کو ناول کا موضوع بنایا ہے جو سقوط ڈھاکہ کے بعد بے گھر ہوئے کہ اب تک معاشی و معاشرتی مسائل کے سمندر میں غوطے کھا رہے ہیں۔رحیم گل کا سب سے اہم ناول “جنت کی تلاش” ہے اس میں انہوں نے جنسیت کو پروان چڑھانے کی کوشش کی ہے۔ناول لکھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل کام ہے۔چند اہم ناول نگاروں کے ناموں میں شوکت تھانوی، قاضی عبدالغفار، سجاد ظہیر، رشید اختر ندوی، ضیاء سرحدی، اشتیاق حسین قریشی، عادل رشید، ممتاز مفتی، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، جمیلہ ہاشمی ، عبداللہ حسین ، رضیہ فصیح احمد، انتظار حسین وغیرہ شامل ہیں۔

(i)۔برصغیر کی تہذیب کا نیا منظر نامہ:

پاکستان کے تہذیبی اور معاشرتی تشخص میں تین اہم نکات ملتے ہیں۔

1۔سیاسی اعتبار سے پاکستان کی تاریخ 14اگست1947ء بنتی ہے۔

2۔تہذیبی اعتبار سے پاکستان جن علاقوں سے مل کر بنا اس کا سلسلہ چار لاکھ برس پر محیط ہے جس کے آثار موہنجودڑو، ہڑپہ اور ٹیکسلا میں ملتے ہیں۔

3۔ادبی اور مذہبی حوالے سے محمد بن قاسم کے سندھ میں آنے سے نکات ملتے ہیں۔

ہر قوم کی اپنی جداگانہ شخصیت ہوتی ہے اس شخصیت کے بعض پہلو دوسری تہذیبوں سے ملتے جلتے ہیں لیکن بعض ایسی انفرادی خصوصیتیں ہوتی ہیں جو ایک قوم کی تہذیب کو دوسری تہذیبوں سے الگ اور ممتاز کر دیتی ہے۔ہر قومی تہذیب اپنی انہیں انفرادی خصوصیتوں سے پہچانی جاتی ہے۔یہ ایک

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

تاریخی حقیقت ہے کہ پاکستان میں انسان چار لاکھ برس سے آباد ہیں اور وہ اس طویل مدت میں پتھر کی تہذیب ، کانسی کی تہذیب اور لوہے کی تہذیب سے گزرے ہیں۔اس دوران میں دراوڑ ، آریہ، ساکا، ایرانی ، یونانی ، کشن، ہمن ، عرب، ترک، افغان اور مغل قوموں کے لوگ وقفے وقفے سے یہاں آ کر آباد ہوتے رہے ہیں۔چنانچہ آمری، موئن جو دڑو، ہڑپہ، ٹیکسلا، پشاور، ملتان،اوچھ، لاہور، چنیوٹ اور ٹھٹھہ وغیرہ میں ان قوموں کے تہذیبی آثار اب تک موجود ہیں اور برصغیر کی تہذیبوں کا خمیرہ بھی انہیں پرانی تہذیبوں کے قوام سے اُٹھتا ہے۔

برصغیر کی تہذیب اور خاص طور پر پاکستانی تہذیب کے بارے میں دو مختلف قسم کے نظریات ملتے ہیں پہلے نظریے والے لوگوں میں وہ شامل ہیں جو پاکستانی تہذیب سے مراد اسلامی تہذیب لیتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ جس دن سے محمد بن قاسم نے راجہ دہر کو شکست دی تھی اس دن سے اسلامی تہذیب وجود میں آئی ہے۔محمد بن قاسم کی اسلامی تہذیب کو سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، شہنشاہ اکبر اور عالمگیر نے فروغ دیا۔بعد میں سرسید احمد خان ، علامہ اقبال اور علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ نے اس روایت کو جاری رکھا۔

جبکہ دوسرے نظریے کے لوگ پاکستانی تہذیب کے وجود سے انکار کرتے ہین وہ پاکستان کو ایک ریاست تو تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ پاکستان کو تہذیبی اکائی نہیں مانتے۔ان کے نزدیک پاکستانی تہذیب کوئی شئے نہیں ہے البتہ پاکستان میں کئی علاقائی تہذیبیں ضرور موجود ہیں۔ان تہذیبوں کو زبان ، ادب، ناچ گانے ، رسم و رواج، تاریخی روایتیں اور سماجی قدریں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ یہ علاقائی تہذیبیں پاکستان کے قیام سے ہزاروں سال پیشتر سے جاری و ساری ہیں۔

14اگست1947ء کو برصغیر کو دو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ایک حصے میں مسلمانوں کی آبادی ہے جبکہ دوسرے حصے میں ہندو زیادہ اکثریت میں ہیں پہلے حصے کو "پاکستان" جبکہ دوسرے حصے کو "ہندوستان" کے نام سے پکارا جانے لگا۔اس مضموں میں ہمیں صرف پاکستان اور پاکستانی تہذیب سے سروکار ہے۔برصغیر کا دو حصوں میں بٹ جانا بیسویں صدی کا ایک اہم واقعہ ہے۔اس لیے ادباء حضرات پر اس کا بہت اثر پڑا۔کیونکہ ادیب اور شاعر نہ تو خلاؤں میں بستے ہیں نہ فضاؤں میں رہتے ہیں۔ایک زمانہ گزرنے کے بعد دوسرا زمانہ آتا ہے۔ہر عہد دوسرے عہد کو جنم دیتا ہے۔نئے زمانہ پر پرانے زمانے کے اثرات مرتب ہوتے ہیں جو آہستہ آہستہ معدوم ہوتے جاتے ہیں۔خارج میں جو تبدیلی آتی ہے باطن پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ایک واقعہ سے عمل اور دوسرے سے ردعمل پیدا ہوتا ہے۔آنکھ والے بدلے ہوئے ماحول سے جو رد عمل قبول کرتے ہیں۔وہی ان کے ادب کی بنیاد ہوتا ہے۔خارج میں ہونے والا ہر انقلاب باطن پر اثر انداز ہوتا ہے لہٰذا ادیب اور شاعر اپنے معاشرے سے اثر قبول کرتے اور اسے متاثر بھی کرتے ہیں۔

انسان کے سماجی رشتے کا پہلا عمل لفظ ہے اور یہی انسان کے لیے سب سے اہم سماجی سرگرمی ہے۔لفظوں ہی کی ترکیب و تنظیم سے ادب وجود میں آتا ہے ، لہٰذا ادب بھی بنیادی طور پر ایک سماجی عمل ہے اس سے مراد سماج اور اس کے افراد ادب کی سطح پر ایک دوسرے کے تجربوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔اس عمل سے وہ اس نئے شعور سے آگاہ ہو جاتے ہیں جو ان کے اندر مخفی یا غیر واضح ہوتا ہے۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد جو اہم سیاسی واقعات ہوئے ان کو ادباء حضرات نے خاص طور پر اپنے ناولوں کی زینت بنایا ان سیاسی واقعات میں 1905ء کی تقسیم بنگال ، 1906ء میں مسلم لیگ کا قیام ، 1916ء کی جنگ عظیم ، 1917ء کا انقلاب روس، 1919ء کا رولٹ ایکٹ ، جلیانوالہ باغ کا واقعہ ، تحریک خلافت 1921، 1927ء کا سائمن کمیشن رپورٹ ، 1928ء کا ملک گیر بائیکاٹ ، 1929ء کا عہد نامہ آزادی، 1930-31-32ء کی گول میز کانفرنسیں، 1935ء انڈیا ایکٹ اور رقی پسند تحریک کی ابتداء ، 1937ء کا آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس، اس کے بعد نہرو جناح خط و کتابت ، 3جون 1947ء کا اعلان اور 14اگست1947ء کو قیام پاکستان وغیرہ شامل ہیں

پاکستانی معاشرے کے حوالے سے جو باتیں سب سے اہم ہیں وہ یہ ہیں کہ ہمارا معاشرہ اسلامی عقائد(مقاصد) کے لیے کوشاں ہے۔ہماری ثقافتی میراث قابل فخر ہے۔اس میں رواداری اور وسیع النظری کے عناصر ملتے ہیں۔ہمارے اسلاف نے اسلامی تعلیمات کے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

(ii)۔اُردو فکشن میں نئے موضوعات اور رجحانات کا جائزہ:

جب سے دنیا معرض وجود میں آئی ہے اور انسانی احساسات و جذبات رقم کرنے کا آغاز ہوا ہے جب بھی دنیا کے کسی حصے میں لوگ کسی انقلاب سے دو چار ہوئے ہیں تو ادیب اور شاعر خاموش نہیں بیٹھے۔انہوں نے اپنے احساسات، مشاہدات اور تجربات کو ضرور موضوع بنایا۔بظاہر وہ عصری ادب تخلیق

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

کر رہے ہوتے لیکن درحقیقت ان کے ادب میں عصری تاریخ محفوظ ہو جاتی۔مثال کے طور پر 1857ء کی جنگ آزادی کے حالات، ہمیں غالب کے خطوط میں ، روس و ترکی کی جنگ سرشار کے فسانہ آزاد وغیرہ ہیں اور پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے اثرات یورپی ادب پر مرتسم نظر آتے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد جب آبادیوں کا انخلاء عمل میں آیا تو فسادات سے پورے برصغیر کے انسانوں کے دل و دماغ متاثر ہوئے۔جب زندگی اس قدر درد میں ڈوبی ہوئی ہو تو انسان دکھوں کی چادر اوڑھ کر سو نہیں جاتے بلکہ چیختے چلاتے اور کراہتے ہیں۔ایسے میں ادیبوں اور شاعروں سے یہ توقع کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ مہر بہ لب بیٹھے رہیں۔14اگست1947ء سے پہلے ہی فرقہ وارانہ فسادات کا آغاز ہو چکا تھا لیکن پاکستان کے قیام کا اعلان ہوتے ہی ہندو اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو نقل مکانی پڑی۔یہ تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت تھی۔لوگ بڑی تعداد مین اپنا گھر بار اور اثاثے چھوڑ کر جا رہے تھے۔غیر مسلمانوں نے مسلمان قافلوں کو بخیرت پاکستان بھجوانے کی بجائے ان پر حملے شروع کر دیئے اور پاکستان کو لاشوں کے تحفے دیئے۔کٹی ہوئی لاشیں جب گاڑیوں میں بھر بھر پاکستان پہنچنے لگیں تو یہاں کے لوگوں میں بھی شدید غم و غصہ پیدا ہوا اور احتیاط کے باوجود ہندوؤں اور سکھوں کے قافلوں پر بھی حملے ہونے لگے۔

فسادات اور ہجرت کے تجربے نے انسان کا ایک دوسرے پر اعتماد اٹھا دیا۔انسانوں نے خون کے دریا عبور کیے اور عمارتوں کے ملبوں میں اخلاقی قدروں کو دفن ہوتے دیکھا۔ہمارے لکھنے والوں نے انسانوں کے دکھوں کو محسوس کیااور اس قتل و غارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔بیسویں صدی کی چھٹی دہائی تک تقریباً 1960ء تک تیرہ سال میں جس قدر فسادات ، ہجرت اورحب الوطنی کو موضوع بنایا گیا شاید ہی اس سے قبل اس کے نشان یا مثال ملتی ہو۔

تقسیم برصغیر کے بعد کے زمانے میں اردو میں جتنے ناول لکھے گئے اتنے اردو ناول کی تاریخ کے کسی دور میں بھی نہیں لکھے گئے۔اس دور میں معاشرتی ، اخلاقی، تاریخی اور نفسیاتی ناول لکھے گئے۔سب سے زیادہ ناول فسادات، ہجرت اورحب الوطنی کے موضوع پر ملتے ہیں۔ان موضوعات پر ناول نگاروں اور افسانہ نویسوں نے شاعروں کی نسبت زیادہ کُھل کر لکھا ہے۔ان میں سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، ایم اسلم ، رئیس احمد جعفری، رشید اختر ندوی، عنایت اللہ ، قیس رامپوری، راما نند ساگر، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، جمیلہ ہاشمی ، الطاف فاطمہ ، قدرت اللہ شہاب، قراۃ العین حیدر، نسیم حجازی زیادہ اہم ہیں۔

ہجرت حب الوطنی اور فسادات پر لکھے جانے والے ناولوں میں جذباتیت کا سہارا لیا ہے۔ہر ادیب نے اپنے ملک علاقے اور لوگوں کے حالات درج کیے ہیں۔پاکستان میں لکھنے والے ناول نویسوں نے ہندوؤں اور سکھوں کے مظالم دل کھول کر بیان کیے ہیں جبکہ بھارت میں لکھے جانے والے ادب میں مسلمانوں کو قصور وار ٹھہرایا گیا ہے حالانکہ اگر ادب میں جوش اور جذبات کی بجائے ہوش سے کام لیا جاتا تو اچھا ادب تخلیق پاتا۔تاریخی ناول نگاروں نے بھی اپنے اپنے اسلاف کے کارناموں کو از سرنو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد فسادات اور ہجرت پر لکھنے جانے والے ادب میں واقعات کی تکرار اور یکسانیت ملتی ہے۔یہ ادب پہلے پہلے تو قاری کی توجہ کا مرکز بنا رہا لیکن اب اس ادب کی طرف بہت کم تحقیقی نگاہ ڈالی جاتی ہے۔ناول نگاروں نے اپنے تخیل سے زندگی کے ان خونیں مرقعوں میں رنگ بھرے ہیں۔انہوں نے ان ناولوں کو عام قاری کے لیے اور ہی زیادہ پر کشش بنا دی ہے۔حوادث نے عام ذہن میں اضطراب اور ہیجان کی جو کیفیت پیدا کی ہے۔ہمارے ناول نگاروں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ابھری ہوئی چوٹ کو ابھارا ہے۔اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان ناولوں میں کہیں کہیں ایسی چیزیں بھی ملتی ہیں، جن سے اچھی اخلاقی قدروں کو سہارا ملتا ہے اور جو زخموں پر نمک پاشی کرنے کی بجائے ان پر مرہم رکھتی ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے یہ ناول کی اقدار کے لیے ترقی کی بجائے تنزل کا پیش خیمہ ہے۔ان ناولوں کی ساخت و ترتیب میں فکر کی گہرائی اور احساس فن کی بجائے ایک خاص طرح کی شعبدہ بازی ہے اور اس طرح فنی نقطہ نظر سے یہ ناول ایک تکلیف دہ استحصال کے مظہر ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد ایک عرصہ تک جو افسانہ اور ناول بھی لکھا گیا اس کا موضوع ہجرت ، فسادات، بے رحم حقیقت نگاری اور حب الوطنی جیسے موضوع بنے رہے۔ناول نگاری میں ایک بار پھر تاریخ داخل ہوئی۔منشی پریم چند نے جس طرح سسکتے ہوئے مسائل کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا تھا۔وہ سلسلہ جاری نہ رہا۔راشد الخیری اور شرر کا زمانہ پھر لوٹ آیا۔سید وقار عظیم اس صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

‘ ’ فسادات کے ناولوں کے علاوہ جو مختلف طرح کے ناول لکھے گئے ان میں سب سے زیادہ مقبولیت تاریخی ناولوں کو حاصل ہوئی اور فسادات کے ناولوں کا زور ختم ہونے کے بعد اُردو میں تاریخی ناولوں کی ایسی یورش ہوئی کہ اردو دان طبقہ شائد کچھ عرصہ کے لیے یہ بھول ہی گیا کہ ناول تاریخی ہونے کے علاوہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔تاریخی ناول موجودہ زندگی میں فرودو جماعت دونوں کی دلچسپی اور وابستگی ، اس سے بھی زیادہ ولولہ انگیزی اور جگر سوزی کا وسیلہ بن گیا۔انکھوں میں ایک بر پھر سندھ، ہسپانیہ کے معرکوں اور غرناطہ و بغداد کی عظمت و شکوہ کے نقشے ابھرنے لگے۔مردہ دلوں کو پھر محمد بن قاسم ، صلاح الدین ایوبی ، طارق و خالد کی جانبازیاں زندگی کا پیام لانے لگیں اور افسردگی و اضمحلال نے پھر جوش و مسرت کا رنگ پکڑا، تاریخی ناولوں کا مطالعہ فرصت کے وقت کا سب سے محبوب مشغلہ بن گیا۔نسیم حجازی اور رئیس احمد جعفری کے تاریخی ناولوں کو صحیفوں کا رتبہ ملنے لگا۔"(۱۴)

برصغیر کے نئے منظر نامے کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی پاکستان کو مختلف قسم کے مسائل کا سامنا کرنا پڑھا جیسے مہاجرین کی آمد، رہائش ، خوراک اور بسانے کا مسئلہ ، فسادات میں زخمی اور قتل ہونے والوں کے مسائل ، حب الوطنی کے تقاضے ، مریضوں ، بے سہارا لوگوں کے مسائل ، انڈیا سے آئی ہوئی معصوم اور بچی کھچی عزتوں اور عظمتوں کی حفاظت کا مسئلہ ، غرض یہ قیام پاکستان کے بعد مسائل کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔سرحدوں کے ساتھ ساتھ جگر پاش اور آنکھیں پتھرا دینے والے مناظر دیکھے گئے۔ان حالات میں ادباء نے اپنے قلم کا سہارا لے کر ان تمام مشکلات مسائل اور ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور اب یہ ادب ہماری تاریخ کا ایک حصہ بن گیا ہے۔جوں جوں وقت گزرتا جائے گا۔اس ادب کی تاریخی اہمیت بڑھتی جائے گی۔ماضی کے ادب کی افادیت ضرور کم ہو جاتی ہے لیکن اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

حوالہ جات:

1۔ سہیل بخاری ، ڈاکٹر، ناول نگاری ، اردو ناول کی تاریخ و تنقید، مکتبہ لائبریری ، لاہور، 1966ء ، ص:9
2۔ احسان اکبر، پاکستانی ناول ، ہیت، رجحان اور امکان (مضمون)مشمولہ، پاکستانی ادب ، تنقید، مرتبہ ، رشید امجد، ڈاکٹر، فاروق علی ، سرسید کالج راولپنڈی، 1992ء ، ص:809
3۔احسن فاروقی ، ڈاکٹر، ناول کیا ہے ، پیش لفظ از آل احمد سرور، دانش محل ، لکھنو،1948ء ، ص:5
4۔شہزادمنظر، ناول ، مشمولہ، تخلیقی ادب، جلد دوم، مرتبہ پاشارحمن، مشفق خواجہ ، آمنہ مشفق، عصری مطبوعات، کراچی، 1980ء ، ص:34-35
5۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر ناول نگاری، اردو ناول کی تاریخ و تنقید، میری لائبریری ، لاہور، 1965ء ، ص57
6۔احسن فاروقی ڈاکٹر، اردو ناول کی تنقیدی تاریخ ، اردو اکیڈمی ، لاہور،1951ء ، ص151
7۔ عظیم الحق جنیدی، اُردو ادب کی مختصر تاریخ ، فینس بکس ، لاہور،1989ء ، ص231
8۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر ناول نگاری ، اردو ناول کی تاریخ و تنقید، ص131
9۔احسن فاروقی ، ڈاکٹر، اردو ناول کی تنقید تاریخ ، ص228-229ء
10۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر ، ناول نگاری، اردو ناول کی تاریخ و تنقید، ص264-265
11۔ایضاً،ص394
12۔ایضاً، ص355-256
13۔ایضاً ، ص346
14۔وقار عظیم ، سید ، داستان سے افسانے تک ، اردو اکیڈمی سندھ ، کراچی،1960ء ، ص165-166